بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فکر و نظر

نظامِ زکوٰۃ و عُشر اور ٹیکس

جائزہ اور تجاویز

پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق لائقِ صد تحسین ہیں۔ جنھوں نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی تعزیرات اور نظامِ زکوٰۃ و عُشر اور چند دوسرے اقدامات کے نفاذ کا اعلان کر کے قوم کی ایک دیرینہ آرزو کو پورا کر دیا اور جس بات کے لئے اہالیان پاکستان تیس سال سے بے قرار تھے۔ اس مردِ مومن نے عملی اقدامات کر کے پوری قوم کی دعائیں حاصل کیں۔

۱۲ ربیع الاول سے لے کر دوسرے موضوعات کی طرح زکوٰۃ و عُشر اور ٹیکس بھی موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں حکومت نے اس کے متعلق تجاویز بھی طلب کی ہیں۔ لہٰذا اس کے متعلق اپنے خیالات قلمبند کرتے ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت کی بنیاد

نظامِ زکوٰۃ:- اسلامی نظامِ معیشت کا ایک حصہ ہے اور اس نظامِ معیشت کی بنیاد اقتصاد پر ہے۔ اقتصاد کے لغوی معنی ہیں کسی کام میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا۔ اور معاشی لحاظ سے اقتصاد کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ صرف اس حد تک خرچ کیا جائے جس سے ضرورت پوری ہو سکے۔ اس کی آسان سی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک آدمی کو نہانے کے لئے ایک بالٹی پانی کافی ہو سکتا ہے۔ تو دو یا تین بالٹی پانی کا استعمال اسراف شرعاً ایک مذموم فعل اور قرآن کی اصطلاح میں "منکر" ہے۔ اس بات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں سمجھایا۔ ارشاد نبوی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص اَنّ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بسعدٍ وھو یتوضأ فقال ما ھٰذا السرف یا سعد قال اَفِی الوضوءِ سرفٌ؟ قال نعم! وان کنتَ علٰی نھرٍ جارٍ (احمد ابن ماجہ)

عبد اللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے جو وضو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اے سعدؓ! زیادہ پانی استعمال کر رہے ہو"؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا، کیا وضو کے معاملہ میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا، یقیناً خواہ تم ایک جاری نہر کے کنارے پر بیٹھے

اسی بناء پر ہمیں اسلام نے سادہ طرزِ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور تعیش اور تکلف کی زندگی کو ناپسند فرمایا ہے اور اسی بناء پر حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدین نے فرمانروائے ریاست ہونے کے باوجود، سادہ طرزِ زندگی کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں۔ جن کی نظیر پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ قاصر ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے مغربی طرزِ معاشرت کو اپنے اوپر مسلّط کر رکھا ہے، اپنے لباس وضع قطع، طرزِ رہائش اور تقریبات غرض معاشرے کے ہر شعبہ میں مغرب کی اندھی تقلید کر کے پُرتکلف اور عیش پرستانہ زندگی میں گرفتار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آج ہمارے ہاں جدید ترین آسائشوں والا مکان یا کوٹھی، ڈرائنگ روم میں قیمتی فرنیچر، فریج اور ٹیلی ویژن تہذیب کی شرط لازم قرار پا چکی ہیں اور ان چیزوں کے حصول کے لئے جب جائز اور محدود آمدنی ناکافی ثابت ہوتی ہے تو انسان ناجائز ذرائع مثلاً رشوت، چوری، چور بازاری، سمگلنگ وغیرہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے حکام، وزراء، سیاسی رہنما اور سماجی کارکن سادہ طرزِ معاشرت اختیار کرنے کی ملک گیر تحریک چلائیں اور اس کی ابتداء اپنے آپ سے کریں۔ جتنک ہمارے حکام، امراء، دینی اور سیاسی رہنما اپنی عام زندگی میں سادگی کو نہیں اپنائیں گے، عوام پُرتکلف زندگی کے اس بارِ گراں سے نجات نہیں پا سکتے اور نہ ہی حصولِ زر کے ناجائز ذرائع ختم ہو سکتے ہیں اسی "ھل من مزید" کی حرص کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لوگ جائز حقوق کی ادائیگی میں ہیرا پھیری کرنے کے عادی بن چکے ہیں اور اسی وجہ سے ٹیکسوں میں چوری ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ لہٰذا نظامِ زکوٰۃ کو موثر اور بار آور بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس پہلو پر پوری توجہ دی جائے۔

جب سے نظامِ زکوٰۃ و عشر کا سرکاری سطح پر چرچا ہوا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی رقوم بنکوں سے نکلوانا شروع کر دی ہیں۔ انہیں یہ "خطرہ" ہے کہ اب سود تو شاید ملے گا نہیں الٹا زکوٰۃ بھی پڑ جائے گی۔ لہٰذا یار لوگوں نے رقمیں نکلوا کر دھڑا دھڑ زمینیں، پلاٹ اور مکان خریدنا شروع کر دیے ہیں کہ وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ اس طرح ایک سال کے عرصہ میں زمینوں کی قیمت دگنی ہو گئی ہے۔ غریبوں کے لئے زمین خریدنا پھر اس پر عمارت بنانا اب ان کے بس کا روگ نہیں رہا۔ اور رہائش کا مسئلہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر صورت اختیار کر رہا ہے اور اس کی تہہ میں وہی زر پرستی کی ہوس اور زکوٰۃ سے فرار کا جذبہ کار فرما ہے۔

مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب زکوٰۃ دینے والے کسی مستحق زکوٰۃ کی تلاش میں پھرتے تھے تو انہیں زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ تو اس کی

وجہ محض یہ نہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس وافر دولت آگئی تھی۔ یا زکوٰۃ کا نظام نافذ تھا بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ابھی مسلمان پُرتکلف اور عیش پرستانہ زندگی سے ناآشنا تھے۔

لیکن آج اس تعیش نے ہماری قوم کا مزاج اس حد تک بگاڑ کر رکھ دیا ہے کہ اگر حکومت نے معاشی اصلاح کی خاطر شادی بیاہ کی تقریبات پر اور جہیز پر پابندیاں عائد کیں تو یار لوگوں نے کئی دوسری راہیں تلاش کر لیں۔ حکومت کو دھوکا دیا، ناجائز ذرائع کا استعمال کیا۔ لیکن طرزِ زندگی میں سرِ مو فرق کو برداشت کرنا گوارا نہیں کیا۔ لہذا معاشی فلاح اور غربت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ نظامِ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اس بنیادی تبدیلی پر بھی خصوصی توجہ دی جائے۔

اسلامی نظامِ معیشت کی دوسری بنیاد باہمی اخوت، ایثار اور ہمدردی ہے لیکن آج ہم نے ان اقدار کو بھی پامال کر رکھا ہے۔ ایک طویل دور کے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت نے ہمارے اندر خود غرضی، سنگدلی، بخل، اور مفاد پرستی جیسی انسانیت سوز صفات پیدا کر دی ہیں۔ کچھ ہمیں مغرب کی مادہ پرست ذہنیت ورثہ میں ملی ہے۔ دوسروں کا حق دبانے اور ظلم و استحصال کے رجحان نے ہمارے ذہنوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ دوسرے کی تکلیف اور تنگدستی پر ہمارا کبھی دل بھر نہیں آتا۔ جبکہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دَور میں ایثار و مروّت، سخاوت و استغناء اور انفاق فی سبیل اللہ کے فقید المثال واقعات ہمیں بکثرت ملتے ہیں۔ قلب و روح اور ذہن ودماغ کے اس انقلاب لانے کے لئے ایک مضبوط روحانی عقیدت کی ضرورت ہے۔ جو خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظامِ صلوٰۃ کو نظامِ زکوٰۃ سے مقدم رکھا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظامِ زکوٰۃ کی کامیابی کا دارو مدار نظامِ صلوٰۃ پر موقوف ہے۔ لہذا جس قدر ہمارا نظامِ صلوٰۃ مضبوط و مستحکم ہو گا اسی نسبت سے نظامِ زکوٰۃ صحیح معنوں میں بارآور ثابت ہو گا۔ سرکاری طور پر دفاتر میں اقامتِ صلوٰۃ کا اعلان تو ہو چکا ہے۔ تاہم نظامِ زکوٰۃ کو مؤثر بنانے کے لئے اقامتِ صلوٰۃ پر توجہ کی مزید ضرورت باقی ہے۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ اور مالی عبادت ہے۔ لہذا مسلمان اس کی ادائیگی پوری ایمانداری اور خوش دلی سے کیا کریں گے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں اور بلاشبہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ ہمارے مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ذہنی طور پر سرے سے اس نظام کے ہی مخالف ہیں اور صرف عوام کی بات نہیں۔ بلکہ حکومت میں بھی ایسا طبقہ موجود ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے معاشرہ میں وہ امراض بھی موجود ہیں۔ جن کی مندرجہ بالا سطور میں نشاندہی کی گئی ہے۔ لہذا ہمارے خیال میں حسنِ ظن کے بجائے احتیاطی تدابیر کو سمجھنا ضروری ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سرسری جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ زیادہ توجہ نظام زکوٰۃ کے انتظامی ڈھانچہ کی طرف مبذول کی گئی ہے۔ لیکن مکمل زکوٰۃ کی وصولی کی طرف توجہ کم دی گئی ہے۔ صرف نقدی، بنک میں جمع شدہ میعادی رقوم اور اجناس کی زکوٰۃ تک اسے محدود رکھا گیا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کی وصولی میں نہایت نرم پالیسی اختیار کی گئی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی وصولی کی بیشتر ذمہ داری تو مقامی کمیٹیوں پر ہوگی۔ لیکن اس کی تشکیل اور ذمہ داریوں کا محض ایک دھندلا سا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۔ حکومت جو تھوڑی بہت زکوٰۃ وصول کرے گی۔ اسے معذور افراد پر خرچ کیا جائے گا۔ رہے حکومت کے ٹیکس تو وہ علیٰ حالہٖ قائم رہیں گے۔ الا یہ کہ عشر کے مقابلہ میں مالیہ ساقط ہو جائے گا اور نقدی اور میعادی رقوم کی زکوٰۃ، انکم ٹیکس یا دولت ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دی جائے گی۔

ہم انہیں تنقیحات کی روشنی میں تفصیلات اور تجاویز پیش کریں گے۔

زکوٰۃ کے محاصل یا محلِ نصاب اشیاء

زکوٰۃ مندرجہ اشیاء پر عائد ہوتی ہے:۔ (یہ واضح رہے کہ مفروضہ زکوٰۃ کے لیے قرآن کریم میں زکوٰۃ، صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ تینوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور الفاظ کے معنی کی تخصیص احادیث سے ہوتی ہے)

۱۔ بچتیں ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۹/۳۴

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

عہد نبوی میں بچت کی صورت میں صرف سونا چاندی ہی تھے۔ درہم و دینار (نقدی) بھی سونا چاندی کے ہی ہوتے تھے۔ لیکن آجکل بچتوں کی مندرجہ ذیل صورتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ نقد رقوم یعنی کاغذی زر (۲) سونا چاندی یا اس کے زیورات۔ (۳) بنکوں میں جمع شدہ رقوم میعادی اور عندالطلب یا ڈاک خانہ کے سیونگ ڈیپازٹ۔ (۴) مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے حصص (۵) نیشنل انویسٹمنٹ ٹرسٹ یونٹس (۶) بیمہ کمپنیوں کو ادا شدہ رقوم (۷) مختلف قسم کے سرکاری تمسکات

بچتوں پر زکوٰۃ کی شرح ۲½ % یا ربع عشر ہے۔ اور بچت سے مراد وہ بچت ہے۔ جس پر ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہو۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصول یہ ہے کہ جو اموال صاحب مال کے سوا دوسروں کے علم میں نہ آسکے (یعنی اموال باطنہ) ان کی تشخیص صاحب مال خود کرتا ہے، اور اس کا حساب براہِ راست اللہ تعالےٰ سے ہے۔ اس میں حکومت وقت گرفت نہیں کر سکتی۔ اور جو اموال دوسرے کے علم میں آسکیں وہ اموال ظاہرہ ہیں۔ یہاں خود تشخیص طریق کار استعمال نہیں ہوگا۔ ہر طرح کے اموال کی زکوٰۃ اسلامی ریاست وصول کرے گی۔ ۵۲½ تولہ سے کم چاندی ۷½ تولہ سے کم سونا اور تقریباً ایک ہزار سے کم نقدی پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲۔ زرعی پیداوار : ارشاد باری ہے،

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۱۴۲/۶

جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو خدا کا حق اس میں سے ادا کرو۔

اس خدا کے حق کی تفصیل سنت سے ملتی ہے کہ

۱۔ زرعی پیداوار سے مراد صرف اجناس نہیں بلکہ پھل بھی ہیں۔ خصوصاً ایسے پھلوں پر زکوٰۃ واجب ہے جو سٹور کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بادام، کھجور، منقیٰ وغیرہ اور وہ پھل جو جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سنگترہ، کیلا، امرود وغیرہ ان پر زرعی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۲۔ ہر وہ پیداوار جس کی آب پاشی مصنوعی ذرائع سے کرنی پڑے اس پر زکوٰۃ ۵% یا نصف عشر ہے

۳۔ ہر وہ پیدا جو قدرتی ذرائع سے سیراب ہو سکے۔ خواہ بارش سے ہو یا ندی نالوں سے یا اس کی جڑیں زمین سے پانی کھینچ کر سیراب ہوتی رہیں۔ ان پر زکوٰۃ ۱۰% یا عُشر ہے۔

۴۔ یہ زکوٰۃ سال بھر میں اتنی بار لی جائے گی جتنی بار فصل تیار ہوگی۔

۵۔ ۵ اوسق یا تقریباً ۲۵ من سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ایک من بھی بڑھ جائے۔ تو پوری مقدار پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۳۔ اموال تجارت اور صنعت

ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ ۲۶۶/۲

اے لوگو ایماندارو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو، اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔

اور اس آیت کی تشریح سنت سے یوں ملتی ہے :-

عَنْ سُمْرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِىْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ (ابو داؤد)

سمرۃ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اموالِ تجارت سے زکوٰۃ ادا کریں۔

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ اس زکوٰۃ کی شرح، نصاب، شرطِ زکوٰۃ، بچت کی زکوٰۃ کے مطابق ہے۔ یعنی ایک سال بعد ۲½ ٪ سے ادائیگی کی جائے گی اور ایک ہزار روپے سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲۔ اموالِ تجارت میں دکان کا باردانہ، فرنیچر اور سٹیشنری وغیرہ شامل نہیں ہے۔ صرف وہ سامان محسوب ہوگا جو فروخت کے لیے ہو۔

۳۔ زکوٰۃ موجودہ مالیت پر عائد ہوگی۔ مثلاً زید نے پہلے سال ۱۰ ہزار سے کاروبار شروع کیا جو اس وقت ۱۴ ہزار کی مالیت کا ہے، تو زکوٰۃ ۱۴ ہزار پر ہوگی نہ کہ ۱۰ ہزار پر۔ اسی طرح اگر اسے نقصان ہوگیا اور موجودہ مالیت ۷ ہزار ہے تو زکوٰۃ ۷ ہزار پر ہوگی نہ کہ ۱۰ ہزار پر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرمایہ کے فائدہ پر سال گذرنے کی شرط نہیں ہے۔

۴۔ **صنعتی پیداوار** عہدِ نبوی میں عرب میں کوئی صنعتی پیداوار نہیں تھی۔ فقہائے کرام نے مندرجہ بالا آیت اور ارشادِ نبوی سے صنعتی پیداوار پر زکوٰۃ کا بھی استنباط کیا ہے۔ صنعتی پیداوار کی زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ فیکٹری یا کارخانہ کی عمارت اور مشینری اموالِ تجارت سے مستثنیٰ ہے۔ اگرچہ نقدی کا کافی حصہ انہی مدات پر صرف ہو چکا ہو۔

۲۔ صنعتی پیداوار کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ آیا وہ تجارتی زکوٰۃ ۲½ ٪ کے حساب سے ہو یا ۵ ٪ کے حساب زرعی زکوٰۃ کے مطابق ہو۔ جو علماء اسے زرعی زکوٰۃ کے مطابق قرار دیتے ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں کہ فیکٹری کی عمارت اور مشینری بھی بمنزلہ کھیت ہے۔ جس میں سرمایہ کا کثیر حصہ صرف ہو جاتا ہے۔ نیز جس طرح زمین سال میں کئی بار فصل پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح فیکٹری بھی پیداوار مہیا کرتی ہے۔ اگر فیکٹری پر بھی سال بعد موجودہ مالیت پر زکوٰۃ عائد کی جائے۔ تو فیکٹری میں تو اپنے صرف شدہ سرمایہ کا بیسواں حصہ بھی موجود نہ ہوگا۔ ان وجوہات کی بناء پر صنعتی پیداوار کی زکوٰۃ کل مجموعی پیداوار پر ہونا چاہیئے اور ۵ ٪ کے حساب سے ہونا چاہیئے۔ البتہ اس کی ادائیگی سال بھر بعد کی جا سکتی ہے۔ اور یہی فکر راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۵۔ مویشی

عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مویشیوں میں سے اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری پر بھی ایک سال بعد زکوٰۃ لی جاتی رہی۔ سب مویشیوں کا نصاب الگ الگ ہے۔ تاہم شرح نصاب قریباً قریباً ۲ ½ ٪ ہی بنتی ہے۔ ہمارے یہاں اونٹ کی بود و باش کے لئے ماحول سازگار نہیں، صرف بار برداری کے لئے تھوڑی سی تعداد میں پالا جاتا ہے۔ البتہ بھیڑ بکری اور گائے بھینس بکثرت پالے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اونٹ کی بجائے ہمارے یہاں مرغبانی اور مچھلی فارم نے نسل کشی یا تجارتی نظریہ سے وہی جگہ لے رکھی ہے جو عرب میں اونٹ کی ہے۔ لہٰذا ہمارے خیال کے مطابق ان پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔ اور اس کا فیصلہ کرنا اسلامی نظریاتی کونسل کا کام ہے۔

اموال تجارت کے ضمن میں درج شدہ آیت کا اگلا حصہ یہ ہے۔

۶۔ دفینے اور معدنیات

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۲۶۷/۲

اور ان چیزوں سے بھی خرچ کرو۔ جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔

زمین سے نکلی ہوئی چیزیں زرعی پیداوار بھی ہو سکتی ہے اور دفینے اور معدنیات بھی معدنیات وغیرہ کی تخصیص درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَفِی الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکاز میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے (بخاری و مسلم)

رکاز سے مراد زمین میں گڑی ہوئی دھاتیں (معدنیات وغیرہ) اور مدفون خزانے ہیں۔ اگر یہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہوں۔ جیسے کسی کی زمین میں سے کوئی خزانہ نکل آیا ہے تو اس پر زکوٰۃ ۲۰٪ یا خمس ہوگی۔ اور اگر یہ مدفون خزانے معدنیات لوہا، کوئلہ، پتھر، نمک، تیل، گیس وغیرہ کی شکل میں اور حکومت کی تحویل میں ہوں تو کھدائی، صفائی کے اخراجات کے بعد اس کی کل آمدنی قومی ملکیت ہوگی۔ اور یہ بیت المال کی آمدنی ہوگی۔

نوٹ: جو لوگ اپنے زائد سرمایہ سے زمینوں کے پلاٹ اور مکان خریدتے اور فروخت کرتے رہتے ہیں یا مکان تعمیر کرکے بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ البتہ جو لوگ دکانیں یا مکان تعمیر کرکے انہیں کرایہ پر چڑھا دیتے ہیں تو زکوٰۃ وصول شدہ کرائے کی کل رقم پر ہوگی۔ ذاتی ضرورت کے لئے پلاٹ یا دکان یا مکان خریدنے پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

حکومت
زکوٰۃ وصول کرنا اسلامی کی ذمہ داری ہے

اسلامی نقطۂ نظر سے انفرادی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کو پسند نہیں کیا گیا۔ جس طرح نظام صلوٰۃ ایک اجتماعی نظام ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک اجتماعی نظام ہے اور ایک اسلامی ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اسکے مقررہ مصارف پر خرچ کرے۔ زکوٰۃ کے احکام کا طرز تخاطب یوں ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۹/۱۰۳) — اے پیغمبر۔ ان مسلمانوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں زکوٰۃ کی وصولی سے متعلقہ احکام بھی لکھوا کر دیے اور اس کے فلسفہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔ (متفق علیہ) — زکوٰۃ وہاں کے مالداروں سے وصول کی جائے اور وہاں کے فقراء کو لوٹائی جائے گی۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی کا مکمل انتظام کر رکھا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد کچھ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے منحرف ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا۔ (متفق علیہ) — بے شک زکوٰۃ (اموال میں) مال کا حق ہے۔ بخدا اگر وہ اونٹ باندھنے کی رسی تک بھی ادا نہ کریں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ادا کرتے تھے تو میں ان سے اس بات پر جہاد کروں گا۔

ان ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ حکومت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور عوام اپنی زکوٰۃ حکومت کو ادا کریں۔ قرآن کریم کے الفاظ "يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ" سے بھی یہی مراد ہے۔

زکوٰۃ کی انفرادی ادائیگی کا جواز اس صورت میں ہے۔ جب نظام زکوٰۃ موجود نہ ہو کیونکہ یہ ایک عملی عذر ہے جس طرح بعض مجبوریوں یا شرعی عذر کے تحت نماز گھر میں پڑھنا جائز ہے۔ لیکن تاکید یہی ہے کہ فریضہ نماز با جماعت ادا کیا جائے۔ اور جس طرح نفل، اور سنت نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے اسی طرح نفلی صدقات کو انفرادی طور پر ادا کرنا بہتر ہے۔ حضور اکرم کے اس ارشاد :۔

اِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ (ترمذی) — یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ میں

اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

ان تصریحات کے بعد اب زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کے الفاظ پر غور فرمائیے۔

"مزارعین کو عشر رضا کارانہ طور پر جمع کرانا ہوگا۔ یا وہ خود تقسیم کریں گے۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مزارعین کو اپنا مال زکوٰۃ خود تشخیص کرنے کی رعایت کس بنا پر دی گئی ہے جب

فصل اموال ظاہر سے ہے اور اموال ظاہر کی تشخیص زکوٰۃ دہندہ اور حکومت کے نمائندہ یا عامل کے با

مشورہ سے ہوتی ہے۔

انسان فطرتاً حریص واقع ہوا ہے۔ لہٰذا یہ احتمال موجود ہے کہ وہ ایسے حیلے بہانے تلاش کرے

جس سے اس کی زکوٰۃ میں تخفیف ہو سکے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ كَتَبَ لَهٗ هٰذِهٖ فَرِيْضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ (بخاری)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رض عنہ نے ان کو یہ تحریر لکھ کر دی تھی کہ زکوٰۃ وہ فر ہے جس کو رسول اللہ نے مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کا حکم دیا زکوٰۃ کے خوف سے متفرق جانوروں کو جمع نہ کیا ج اور نہ ہی مجتمع جانوروں کو متفرق کیا جائے۔

یہ دونوں صورتیں زکوٰۃ میں تخفیف یا اس کے بچنے کی حیلہ سازیاں ہیں۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ ریو

کے مالک ان کی نگہداشت اور رہائش کا انتظام تو مشترکہ طور پر کر لیتے تھے۔ جبکہ مال سب کا الگ الگ ہوتا

ایسے شرکاء کو خلیط کہتے تھے۔ اب ان حیلہ سازیوں کی مثال یوں سمجھئے کہ زید اور بکر دونوں کے پاس پچاس پچ

بکریاں ہیں اور بکریوں کی شرح زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس بکریوں تک کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ۴۰ سے ۱۲۰ تک ز

ایک بکری ہے۔ اور خلطاء کے مشترکہ مال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ زید اور بکر خلیط نہیں مگر زکوٰۃ

وقت اپنا مال لا کر خلیط ظاہر کرتے ہیں۔ تو ان کے مال پر صرف ایک بکری زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جبکہ اصولاً

دونوں کو ایک ایک بکری زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے پاس ۳۰ بکریاں ہیں اور بکر کے پاس ۲۰ اور وہ آ

خلیط ہیں اور ان پر ایک بکری زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ لیکن بروقت وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اپنا

الگ کر لیتے ہیں تو اس طرح وہ دونوں زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔

لہٰذا اموال ظاہر میں ایسی حیلہ سازیوں کی روک تھام کے لئے شریعت خود تشخیص طریق کار

قرار نہیں دیتی۔

ایسی حیلہ سازیوں کا احتمال اموال باطنہ میں بھی موجود ہے۔ لیکن وہاں مجبوری ہے اور زکوٰۃ دہندہ کا معاملہ براہِ راست اللہ تعالےٰ سے ہے۔ حکومت ایسی تشخیص میں دخل نہیں دے گی۔

اس طرح اموالِ باطنہ کے متن میں یہ صراحت ہے کہ "مال کی تشخیص کے بعد زکوٰۃ دہندہ کو زکوٰۃ کی رقم رضا کارانہ طور پر زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرانا ہوگی۔ یا اپنے طور پر تقسیم کرنے کا اختیار ہوگا"۔

ہمارے خیال میں تشخیص کا حق تو زکوٰۃ دہندہ کو دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی کی بہتر صورت یہی ہے کہ وہ زکوٰۃ فنڈ میں ہی جمع کرائے۔ اور حکومت ایسی زکوٰۃ بھی اسی طرح وصول کرے، جیسے مالکان زمین سے عشر وصول کرے گی۔

مقامی کمیٹی کی تشکیل اور ذمہ داریاں

یہ تو ظاہر ہے کہ نظام زکوٰۃ موثر اور بار آور بنانے کی زیادہ تر ذمہ داری مقامی کمیٹیوں کی ہوگی لہٰذا اس کے ارکان کے انتخاب میں احتیاط، اس کے طریق کار اور ذمہ داریوں کی وضاحت ضروری ہے ہمارے خیال میں درج ذیل امور کا بالخصوص لحاظ رکھا جانا چاہیئے۔

۱۔ اس کمیٹی کا مرکز یا دفتر محلہ یا گاؤں کی مسجد ہو۔ کیونکہ زکوٰۃ کی فراہمی اور تقسیم وغیرہ کے سلسلے میں جس دیانت کی ضرورت ہے۔ اس کا منبع یہی مسجد ہے۔ مسجد ہی مسلمانوں کا وہ مرکزی مقام ہے جہاں عہد نبوی اور دور صحابہ میں اسلامی زندگی سے متعلق جملہ امور طے پاتے تھے۔ اس سے نظام صلوٰۃ کو بھی تقویت پہنچے گی۔ اور مسجد کو بھی اس کا صحیح مقام حاصل ہوگا۔ جس سے غفلت کی وجہ سے آج ہم گوناگوں پریشانیوں سے دوچار ہیں۔

۲۔ مقامی کمیٹی کے اجتماعات ہر جمعہ کو بعد از نماز جمعہ ہوا کریں۔ تاکہ کمیٹی کی کاروائی بسہولت سرانجام پائے۔ اور اس کے لیے علیحدہ دفتر یا عمارت کی ضرورت پیش نہ آئے۔ کیونکہ ایسی اطلاعات کسی بھی وقت نمازیوں کے ذریعہ بہم پہنچائی جا سکیں گی

اسی طرح تحصیل کمیٹیوں کا اجتماع تحصیل کے صدر مقام اور ضلعی کمیٹی کا ضلع کے صدر مقام کی کسی مرکزی مسجد میں ہوا کرے۔

۳۔ ارکان کے انتخاب کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ اس کا ناظم امام مسجد ہونا چاہیئے۔ ریکارڈ وغیرہ اسی کے پاس ہو۔ دوسرا رکن پٹواری مال اور تیسرا پٹواری نہر ہونا چاہیئے۔ تاکہ عشر کے مال

کی صحیح طور پر تشخیص ہو سکے اور بعض دوسرے امور میں بھی یہ ارکان مفید ثابت ہوں گے۔ باقی تین ارکان کا انتخاب بھی مسجد کی متعلقہ کمیٹی کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ ان ارکان کے انتخاب میں مندرجہ ذیل باتیں ملحوظ رکھی جائیں۔

(ا) وہ کسی مسجد سے رابطہ رکھتے ہوں (ب) دیانتدار ہوں (ج) حلقہ کے باثر افراد سے ہوں اور اتنی اخلاقی جرأت رکھتے ہوں کہ بددیانتی کا مقابلہ کر سکیں۔

لہٰذا آرڈی نینس کے الفاظ "مقامی کھاتہ کا انتظام چلانے کے لیئے چار سے چھ ارکان کی کمیٹی قائم کی جائے گی۔ جن کا انتخاب مقامی آبادی میں رہنے والے باشندے کریں گے۔" میں مناسب شرائط کا اضافہ کیا جانا چاہیئے۔

۴۔ مقامی کمیٹی کا حصہ:۔ ہمارے خیال میں اس کمیٹی کا حلقہ اثر وہی ہونا چاہیئے جو ایک نکاح رجسٹرار کا ہے تاکہ از سر نو حلقہ بندی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

مقامی کمیٹی کی ذمہ داریاں

مقامی کمیٹی کی پہلی اور سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرے۔ اس سلسلہ میں شریعت نے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں۔

۱۔ عاملین کو خود مال زکوٰۃ کے موقعہ پر جانا چاہیئے

کیونکہ زکوٰۃ کی تشخیص اس مقام پر ہوگی جس جگہ مال زکوٰۃ موجود ہو، ارشاد نبوی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُؤْخَذُ صَدَقَاتُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى مِيَاهِهِمْ (احمد)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں سے زکوٰۃ ان کے آبپاشی کے مقامات پر وصول کی جائے۔"

یہ حدیث زرعی پیداوار سے متعلق ہے۔ مویشیوں سے متعلق درج ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُورِهِمْ (ابوداؤد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو عامل ایک جگہ بیٹھ کر ان کا مال اپنے پاس منگوائے۔ اور نہ مسلمان اپنا مال اصل مقام سے دور لے جائیں۔ بلکہ جہاں پر مال ہو اسی جگہ زکوٰۃ وصول کی جائے گی

موقعہ پر مال کی تشخیص کا فائدہ یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اس اصول کے مطابق مفصل تشخیص کھیتوں میں، پھلوں کے باغ میں، مویشیوں کی چراگاہوں میں۔ دکانوں کی دکانوں پر اور فیکٹریوں کی فیکٹریوں میں کی جانی چاہیئے۔

۲۔ زکوٰۃ دہندہ کی سہولت ادائیگی زکوٰۃ میں زکوٰۃ دہندہ کی سہولت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اگر وہ کسی چیز کی زکوٰۃ اسی چیز میں سے ادا کرنے میں سہولت سمجھتا ہے۔ مثلاً گندم کی گندم سے، کپڑے کی کپڑے سے یا بکریوں کی بکریوں سے تو عامل کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر وہ زکوٰۃ نقدی میں ادا کرنا چاہیں اور اس میں اسے سہولت ہو۔ تو یہ بھی زکوٰۃ دہندہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ عامل زکوٰۃ دہندہ کو اپنی سہولت کی خاطر زکوٰۃ نقدی کی صورت میں ادا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے نہ مجبور کر سکتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی تشخیص میں میانہ روی عاملین زکوٰۃ کو (مویشیوں کی زکوٰۃ) کے متعلق یہ ہدایت تھی کہ وہ اعلیٰ مال مت لیں بلکہ اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ تین درجے کر کے ان میں وسط سے زکوٰۃ وصول کریں۔ اسی طرح اگر مال کی قیمت لگانے کی ضرورت پیش آئے تو معقول نرخ کا استعمال کیا جائے گا۔

۴۔ مراعات عوامل پیداوار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ زرعی اجناس کے سلسلہ میں ہل، بیل، ٹریکٹر وغیرہ، دکانوں کی صورت میں عمارت، فرنیچر، سٹیشنری اور کارخانہ کی صورت میں عمارت کے علاوہ مشینری یہ سب عوامل ہیں۔ پھلوں کی زکوٰۃ کی تشخیص میں کل پیداوار کا ۱/۳ سے ۱/۴ تک وضع کر کے زکوٰۃ عائد ہو گی۔

مقامی کمیٹی کی دوسری ذمہ داری یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے علاقہ کے معذور افراد، یتیم، بیوہ اور اسی قسم کے دوسرے مستحقین کی فہرستیں تیار کر کے بالائی کمیٹیوں کو مہیا کرے۔ نیز یہ پتہ لگائے کہ ان معذور افراد ایسے رشتہ دار جن کے ذمہ ان کی کفالت کی ذمہ داری ہے۔ کیوں عدم توجہی برت رہے ہیں؟

علاوہ ازیں اتفاقی حوادث کا شکار ہونے والے افراد، جو امداد یا قرضہ کے حاجت مند ہوں ان کی درخواستوں کی تحقیق و تصدیق کرے۔ جس کے لئے مجوزہ فارم حکومت کو مہیا کرنے چاہئیں۔

مقامی کمیٹی کی تیسری ذمہ داری یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے علاقہ کی معاشی فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔ ہمارا ملک چونکہ زرعی ملک ہے اور زکوٰۃ کا ایک معقول حصہ زرعی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کمیٹی کے ذریعہ ایسے اقدامات کیے جا سکتے ہیں جن سے مزارع اور مالک کا تعلق خوشگوار ہو۔ فصل زیادہ پیدا ہو۔ اور علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ میں بھی اضافہ ہو۔ ان اغراض کے لئے ہماری رائے میں مندرجہ ذیل اقدامات کئے جا سکتے ہیں

۱۔ یہ کمیٹی مقام اور حالت کا لحاظ رکھتے ہوئے کم بٹائی کی کم از کم شرح مقرر کردے۔ جو کسانوں کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور ان کی ضروریاتِ زندگی کی معقول کفالت بھی کر سکے۔ نیز ایسی تمام شرائط خواہ وہ رواجاً قائم ہوں یا زبانی طے شدہ ہوں جن کی بناء پر زمیندار کسانوں کی بے چارگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ یا بیگار لیتا ہے۔ حکومت کے نوٹس میں لانا چاہیئے تاکہ وہ قانوناً ممنوع قرار دی جا سکیں۔ اس کسان معاشرہ کے ایک باعزت فرد کے طور پر خوشدلی سے کام کر سکے گا۔ اور ملکی پیداوار میں اضافہ کا سبب ہوگا۔

۲۔ ہمارے ہاں انگریز بہادر کے وقت سے ابھی تک جاگیرداری کا دستور چلا آتا ہے۔ جو انہیں سیاسی وفاداریوں کے عوض عطا کی گئیں تھیں انہیں آباد تو کاشت کاروں نے کیا۔ لیکن خان بہادر حسبِ خواہش ان سے بٹائی بھی لیتے رہے اور مالک بھی بن بیٹھے اور آج تک مالک چلے آرہے ہیں۔ اگر اسلامی قانون وراثت صحیح طریقے سے جاری ہوتا۔ تو بھی یہ کئی حصہ میں بٹ کر جاگیریں ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔ آج ایسی جاگیروں کے متعلق دو طریقے اختیار کیے جانے چاہئیں۔

ا۔ انہیں اس وقت سے لے کر ورثاء میں شرعی قانون وراثت کے مطابق منتقل کر دیا جائے اور یہ اگر ممکن نہ ہو تو

ب۔ ان کاشت کاروں کو دے دی جائیں۔ جنہوں نے یہ آباد کیں۔ کیونکہ شرعی قانونِ ملکیت یہ ہے کہ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور جس شخص کو بنجر زمین آباد کاری کے لیے دی جائے اور وہ تین سال تک اسے آباد نہ کر سکے۔ حکومت اس سے وہ زمین بلا معاوضہ لے کر دوسرے آباد کار کو دے سکتی ہے۔

۳۔ اسی طرح مرہونہ زمینوں کے جتنے سودی طریقے رائج ہیں ان کا جائزہ لیا جائے اور جو اس وقت تک ناجائز طریقوں سے زیر بار ہیں اور جو کچھ فائدہ راہن اب تک حاصل کر چکا ہے وہ اسلامی طریقہ کے مطابق قرضہ سے وضع کر کے بقایا قرضہ زکوٰۃ فنڈ سے ادا کر کے زمینیں آزاد کرا کر اصل مالکان کو دی جائیں اور قرضہ کی شرائط طے کی جائیں اور جن زمینوں سے راہن قرض سے زیادہ حاصل کر چکا ہے۔ انہیں فوری طور پر اصل کاشت کاروں کی ملکیت میں دینا چاہیئے۔

۴۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود اس کا بہت سا قابل کاشت رقبہ بنجر اور بے کار پڑا ہوا ہے۔ پاکستان کا کل رقبہ ۱۹.۸ کروڑ ایکڑ ہے۔ جس میں دس ہزار کروڑ ایکڑ سے زائد کا سروے ہو چکا ہے۔ اس سروے شدہ زمین میں سے ۵.۰، کروڑ ایکڑ رقبہ قابل کاشت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کاشت صرف ۴.۸ کروڑ ایکڑ رقبہ پر ہو رہی ہے اور ۲.۰۷ کروڑ ایکڑ قابل کاشت رقبہ ابھی تک

بنجر اور بے کار پڑا ہے۔ جو کاشت شدہ رقبہ کے نصف سے بھی زائد ہے۔ دوسری طرف یہ صورت حال ہے کہ پاکستان کی جمعیت محنت کا ۲۰٪ حصہ بے کار اور بیروزگار ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا فوری اقدام یہ ہونا چاہیئے کہ ایسی زمینوں کو ضرورتمند کاشتکاروں کو آبادکاری اور ملکیت کی شرعی شرائط کے مطابق دیدے۔ جس سے پیداوار میں اور اسی تناسب سے زکوٰۃ میں نمایاں اضافہ ہو سکتا ہے اور اس کام کے لئے مقامی کمیٹیاں ابتدائی معلومات بخوبی مہیا کر سکتی ہیں۔ گویا مقامی کمیٹیاں ایک ادارہ ہونگی جس کے ذمہ پاکستان کو غریب عوام اور کسان کو فائدہ پہنچانے کی بہت سی ذمہ داریاں ہوں گی۔ لہٰذا ان ارکان کو معقول معاوضہ بھی دیا جانا چاہیئے اور یہ معاوضہ قرآن کریم کے بیان کردہ مصارف کے مطابق زکوٰۃ فنڈ سے ادا کیا جائیگا۔

زکوٰۃ اور ٹیکس

زکوٰۃ و عشر آرڈی ننس کے اعلان کے بعد خصوصاً اس نہج پر سوچا جا رہا ہے کہ آیا نفاذ زکوٰۃ کے بعد دوسرے ٹیکسوں کے لئے کوئی شرعی جواز ہے؟ اس سوال کا جواب ہم ذرا تفصیل سے دینا چاہتے ہیں۔

زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ دوسرے ٹیکسوں کے بحال رکھنے کے متعلق تین مکاتب فکر ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی ریاست دوسرے ٹیکس بحال رکھ سکتی ہے۔ بلکہ دوسرے نئے ٹیکس بھی حسب ضرورت عائد کر سکتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عہد نبویؐ اور دورِ خلفائے راشدین میں حکومت کے اخراجات اور ذمہ داریاں بہت محدود تھیں، اور یہ اخراجات زکوٰۃ یا بیت المال کے دوسرے ذرائع آمدنی سے پورے ہو جاتے تھے۔ لیکن آج کے دَور میں حکومت بہت سی ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لیتی ہے۔ اخراجات بھی بہت بڑھ چکے ہیں جو زکوٰۃ یا دوسرے ذرائع آمدنی سے پورے ہونا ناممکن ہیں لہٰذا حکومت کو اپنے انتظامی اخراجات اور منصوبوں کی تکمیل یا دوسری ضروریات کیلئے ٹیکس لگانے کی ضرورت بھی ہے اور شرعاً اجازت بھی اس کی دلیل میں یہی حدیث پیش کی جاتی ہے:۔

اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ (ترمذی) یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ دوسرے ٹیکس تو نہیں لگائے جا سکتے۔ البتہ اسلامی ریاست زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرح زکوٰۃ مقرر کی تھی وہ اس دَور کی مالی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن آج کے دَور میں شرح ناکافی ثابت ہو گی۔ لہٰذا آج ایک اسلامی ریاست کا سربراہ مجلس شوریٰ سے مشورہ کر کے اس شرح میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اس مکتب خیال کے لوگ بہت کم ہیں۔ لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ نہ تو زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کرنے کا کوئی شرعی جواز ہے اور نہ ہی دوسرے ٹیکس بحال رکھنے یا مزید ٹیکس عائد کرنے کا۔ رہا اخراجات سے نپٹنے کا معاملہ تو یہ اخراجات شرعی نظام کے نفاذ کے بعد خود بخود اعتدال پر آجائیں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ بیت المال کے مؤثر نظام سے ان بڑھتے ہوئے اخراجات پر قابو نہ پایا جاسکے۔

ان مختلف افکار کا تجزیہ کرنے سے مندرجہ ذیل سوال ذہن میں ابھرتے ہیں۔

۱۔ ٹیکس کی حقیقت کیا ہے؟

۲۔ ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق کیا ہے؟

۳۔ آیا شرح زکوٰۃ میں تبدیلی جائز ہے؟

۴۔ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس عائد کرنے کا شرعی جواز ہے؟

۵۔ اگر زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس موقوف کر دیئے جائیں، تو کیا بیت المال کی آمدنی موجودہ بڑھتے ہوئے تقاضوں کی کفیل ہو سکتی ہے؟

ہم انہی سوالات کا تحقیقی جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

قرونِ اولیٰ میں زکوٰۃ اور ٹیکس کی حقیقت

عہد نبویؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں سے تو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور غیر مسلموں سے خراج اور جزیہ۔ عرب کا ہمسایہ ملک ایران ایک متمدن حکومت تھی۔ ایران میں زمینداروں سے جو مالیہ وصول کیا جاتا "اسے خراگ" کہتے ہیں۔ خراج کا لفظ اسی سے معرب ہے اور خراگ کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں کو "گزیت" کہتے تھے۔ جزیہ کا لفظ اسی سے معرب ہے۔ گویا غیر مسلموں پر وہی ٹیکس بحال رکھے گئے جو زمانہ کے دستور کے مطابق تھے مگر مسلمانوں سے یہ عام ٹیکس ساقط کر دیئے گئے۔ اور اس کے بجائے زکوٰۃ عائد کی گئی۔

ان ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں دوسرا فرق یہ تھا کہ زکوٰۃ کا نصاب اور شرح ہمیشہ غیر متبدل رہی جبکہ جزیہ اور خراج کی شرح میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیہ کی شرح ایک دینار فی کس سالانہ تھی۔ اور رقم ہر بوڑھے، بچے، عورت، معذور سب سے بحساب مشترک وصول کی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس میں اصلاح کی، بوڑھے، بچوں، عورتوں اور معذوروں سے جزیہ ساقط کر دیا۔ باقی غیر مسلم معاشرہ کے مالی لحاظ سے تین طبقے مقرر کیے، جن سے علی الترتیب ۴ دینار، ۲ دینار

اور ایک دینار سالانہ کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ اسی طرح قبیلہ بنی تغلب کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے یہ درخواست کی کہ ان سے خراج کی بجائے دوگنا عُشر لے لیا جائے تو مسلمانوں نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس دور میں زکوٰۃ کو دین کا رکن سمجھا جاتا تھا اور اس کے احکامات غیر متبدل تھے۔ جبکہ جزیہ اور خراج کی شرح میں تغیر و تبدل کیا جاتا تھا۔

تیسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ کے علاوہ جو کچھ بھی وصول کیا جائے۔ اُسے مَکْس کہا جاتا تھا۔ مکس کے معنی المنجد (عربی۔ اردو) نے "محصول ٹیکس اور چونگی لکھے ہیں اور ماکس کے معنی ٹیکس وصول کرنے والا۔ منتہی الارب (عربی۔ فارسی) نے اس کے معنی "باج و خراج گرفتن" اور مقاییس اللغۃ (عربی۔ عربی) میں اس کے معنی "کَلِمَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی جَبْیِ مَالٍ" اور جبایۃ کا لفظ محصول اکٹھا کرنے کے لئے محاورتاً استعمال ہوتا ہے۔

مکس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ دورِ نبوی ؐ میں جب قبیلہ غامدیہ کی عورت کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا تو حضرت خالد بن ولید ؓ نے اسے ایک پتھر مارا جس کی وجہ سے خون کے چند چھینٹے حضرت خالد کے منہ پر بھی آپڑے۔ حضرت خالد نے اس عورت کو گالی دی۔ تو حضور اکرم ؐ نے حضرت خالد کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مَهْلًا يَا خَالِدُ! فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ (مسلم)

اے خالد یہ کیا بات ہوئی۔ اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے تو معاف کر دیا جائے۔

گویا مکس کا جرم کسی صورت میں زنا سے کم نہیں ہے۔ دوسرے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ صَاحِبُ مَكْسٍ فِي الْجَنَّةِ — ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اور مشکوٰۃ میں صاحب مکس کا معنی "اَیْ مَنْ یَاْخُذُ الْعُشْرَ وَیَزِیْدُ عَلَیْہِ شَیْئًا"۔ یعنی وہ شخص جو عُشر وصول کرتا ہے اور اس سے کچھ زیادہ بھی لیتا ہے۔ ان الفاظ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ عامل یا زکوٰۃ وصول کنندہ زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد جو کچھ بطور رشوت لے وہ مکس ہے۔ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وصول کنندہ حکومت عُشر کی شرح میں اضافہ کر دے۔ (مثلاً ۱۰٪ کی بجائے ۱۵٪ یا ۵٪ چاہی یا نہری کی زکوٰۃ کے بجائے ۷٪ وصول کرے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت عُشر کے علاوہ کوئی دوسرا ٹیکس بھی عائد کرے۔ تاہم لغت اس تعبیرے مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ اور یہ بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مکس لفظ ہی دوسری زبان میں جا کر ٹیکس بن گیا ہے۔

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مکس زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس کا نام ہے جو مسلمانوں پر عائد کیا جائے۔ پھر اس اضافہ کا نام ہے جو شرح زکوٰۃ میں کیا جائے اور یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ ایک مکتب فکر ایسا بھی ہے جو زکوٰۃ اور ٹیکس میں کچھ فرق نہیں کرتا۔ اِلّا یہ کہ ایک اسلامی ریاست میں جو ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ انہی کا نام زکوٰۃ ہے۔ یا جس چیز کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اس کا موجودہ نام ٹیکس ہے۔ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ان دونوں کے مقاصد، محاصل مصارف، نتائج اور مزاج میں کسی ایک چیز میں بھی مماثلت نہیں ہے۔ ان دونوں کے فرق کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

مقصد کے لحاظ سے فرق

ٹیکس کا مقصد عوام کی آمدنی کا ایک حصہ ہے کہ اس سے نظام حکومت چلانا، رفاہِ عامہ کے کام کرنا اور اس سے ملکی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تطہیرِ مال اور تزکیہ نفس ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (۹/۱۰۳)

اے پیغمبرؐ! آپ ان (مسلمانوں کے) اموال سے زکوٰۃ وصول کر کے ان اموال کو پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ نفس کیجئے۔

اس آیت میں زکوٰۃ کے دو مقصد بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کمائی میں جو کوتاہیاں اور لغزشیں نادانستہ طور پر ہو جاتی ہیں۔ صدقہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہ کوتاہیاں معاف کر دیتے ہیں اور یہ کمائی پاک اور طیب ہو جاتی ہے۔ حضور اکرمؐ نے ایک موقعہ پر تاجروں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے تاجروں کے گروہ! سودا بازی میں بہت سی بیہودہ باتیں اور قسمیں شامل ہو جاتی ہیں سو تم خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ صدقہ بھی کیا کرو۔

اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ صدقہ کی ادائیگی کی وجہ سے، مال کی محبت سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے انسان کا دل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ پہلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ ان لوگوں کے اموالِ زکوٰۃ و خیرات اور نذر نیاز ایک جگہ جمع کر دیے جاتے۔ رات کو آسمان سے آگ آتی جو اس "مال" کو بھسم کر دیتی تھی جو اس بات کی دلیل ہوتی کہ ان کی

قربانی قبول ہو گئی۔

زکوٰۃ کے ذریعہ غریب عنصر کی پرورش زکوٰۃ کا ضمنی فائدہ ہے۔ مقاصد وہی دو ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے امت محمدیہ کو غنیمت اور زکوٰۃ کے اموال کو معاشی بہبود کے طور پر استعمال کی اجازت دی ہے۔

محاصل کے لحاظ سے فرق اسلامی نقطہ نظر سے معاشرہ کو معاشی لحاظ سے صرف دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ایک وہ جن سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ یہ لوگ اہلِ نصاب یا غنی ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ جن میں زکوٰۃ تقسیم ہو گی۔ یہ لوگ فقراء و مساکین ہیں۔

اصول یہ ہے کہ اہلِ نصاب یا اغنیاء پر زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ ان سے صرف لیا جاتا ہے۔ گویا زکوٰۃ کا مال امراء کی جیب سے نکلتا ہے اور غریبوں پر صرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ٹیکس کی رقوم کا بیشتر حصہ غریبوں کی جیب سے نکلتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۹۷۶-۷۷ء کے گوشوارہ کے مطابق ہماری حکومت کی مجموعی آمدنی کا ۷۵٪ حصہ صرف ٹیکسوں سے وصول ہوا تھا اور باقی ۲۵ فیصد دوسرے ذرائع آمدنی سے اب یہ ٹیکس دو طرح کے ہوتے ہیں :

(الف) بلاواسطہ یا براہ راست ٹیکس۔ جیسے انکم ٹیکس، پراپرٹی، دولت ٹیکس وغیرہ۔ یہ امراء پر لگائے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے بجٹ کے مطابق ان ٹیکسوں سے ٹیکس کی مجموعی آمدنی کا صرف ۱۲.۳٪ آمدنی ہوئی۔

ب۔ بالواسطہ ٹیکس یہ وہ ٹیکس ہیں جو ادا تو تاجر اور صنعت کار کرتے ہیں۔ لیکن یہ ٹیکس قیمت فروخت میں شامل کر کے ان کا بوجھ صارفین پر ڈال دیتے ہیں۔ جیسے سیلز ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ، جو چینی، سریا سیمنٹ، سوتی کپڑا اور دیگر بے شمار اشیاء پر لگائے جاتے ہیں۔ ان ٹیکسوں سے ٹیکس کی کل آمدنی کا ۸۷.۷٪ آمدنی ہوئی۔

ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں صارفین کا بیشتر حصہ غریب طبقہ ہی ہے۔ لہٰذا ٹیکسوں کا زیادہ تر بوجھ یہی طبقہ برداشت کرتا ہے۔

مصارف میں فرق زکوٰۃ سب سے بڑا اور اہم مصرف غریب طبقہ کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہے جبکہ ٹیکس ملکی ضروریات کو پورا کرنے اور رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ ہوتے ہیں۔ گو یہ چیزیں سب کے لئے مشترکہ ہوتی ہیں۔ لیکن عملاً امیر طبقہ ہی ان سے زیادہ مفاد حاصل کر پاتا ہے مثلاً اعلیٰ تعلیم کا حصول یا حصول انصاف جو کسی غریب کے بس کا روگ نہیں۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے

تو معلوم ہوگا کہ امیر طبقہ اپنے اثر اور وسائل کی بناء پر ہر چیز سے زیادہ فائدہ اٹھا جاتا ہے۔ گویا ٹیکس کی رقم جس کا زیادہ حصہ غریب کی جیب سے نکلا تھا۔ اس سے امیر زیادہ فائدہ اٹھا گیا۔

زکوٰۃ دین اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور اس کے ذریعہ طبقاتی تقسیم میں بہت حد تک کمی واقع ہوجاتی ہے۔ جبکہ ٹیکس سرمایہ داری نظام کے دو اہم ارکان۔ سود اور ٹیکس میں سے ایک رکن ہے۔ جس طرح سود سے بالآخر سرمایہ داری کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح ٹیکس کا بار تو غرباء پر زیادہ ہوتا ہے اور فائدہ امیر زیادہ حاصل کرتا ہے

مزاج اور نتائج کے لحاظ سے فرق

۱۔ عام ٹیکس عموماً آمدنی پر لگتے ہیں۔ جس سے دولت جمع کرنے کی ہوس بڑھتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ عموماً بچت پر لگتی ہے۔ جس سے اندوختہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور سرمایہ حرکت میں رہتا ہے۔ جس سے معیشت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ بچت پر لگنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں فرد کی ضرورتوں اور اخراجات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جبکہ عام ٹیکس آمدنی پر لگتے ہیں اور فرد کے اخراجات یا کمی بیشی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ فرض کیجئے زید اور بکر دونوں ایک ایک ہزار روپیہ تنخواہ لیتے ہیں۔ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور وہ بآسانی چھ سات سو روپے ماہوار پس انداز کر لیتا ہے۔ جبکہ بکر کے پانچ چھ بچے بھی ہیں۔ اور بمشکل گزر بسر کرتا ہے۔ تو ٹیکس ان کے اس امتیاز میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔

۳۔ عام ٹیکس محض حکومت کے نظم و نسق اور ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ جبکہ زکوٰۃ کا بیشتر حصہ ضرورت مند افراد پر خرچ کیا جاتا ہے۔ جس سے ان میں قوتِ خرید بڑھتی ہے اور اس طرح ملک کی پیداوار اور روزگار میں ترقی ہوتی ہے۔

۴۔ ٹیکس کو ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ ٹیکس دہندہ کبھی پوری مالیت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور ٹیکس وصول کرنے والے بھی رشوت لے کر خود ٹیکس چوری کی راہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اس ملی بھگت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو متوقع رقم کا نصف بھی حاصل نہیں ہوتا اور وہ ٹیکس بڑھانے اور مزید ٹیکس عائد کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ اور مالی عبادت ہے۔ جسے بیشتر مسلمان بخوشی ادا کر دینے میں ہی سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اس میں رشوت کا بھی امکان بہت کم ہوتا ہے۔

۳۔ شرح زکوٰۃ میں تبدیلی

امراء کے اموال میں زکوٰۃ کا حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے

مقرر کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۲۵:۲۴)

ان امراء کے مالوں میں، مانگنے اور نہ مانگنے والے دونوں طرح کے غرباء کا حق ہے۔

نیز فرمایا

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (۶/۱۴۲)

اور فصل کاٹنے کے دن اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ كَتَبَ لَهٗ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا۔ (بخاری)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے (اپنے دور خلافت میں) یہ تحریر لکھ دی تھی کہ زکوٰۃ وہ دینی فریضہ ہے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا۔

اور جن چیزوں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ قرآن کریم سے اس کے حوالہ جات ہم پیش کر چکے ہیں اور زکوٰۃ کے مصارف بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے مقررہ حصہ یا زکوٰۃ کی شرح بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تجویز نہیں فرمائی۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حق میں کمی بیشی کا امکان رہتا ہے اور اس معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی احتیاط ملحوظ رکھی کہ زکوٰۃ کی شرح سے متعلقہ احکام گورنروں کو لکھوا کے دیتے تھے۔ جبکہ دوسرے احکامات زبانی تبلانے پر ہی اکتفا کر لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ درج بالا حوالہ جات سے واضح ہے۔

عموماً یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر شرح زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے مقرر ہوتی تو اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہوتا تھا۔ ہمارے خیال میں اس اعتراض کی چنداں وقعت نہیں۔ بے شمار ایسے تاکیدی احکام ہیں، جن کی تفصیل قرآن پاک میں موجود نہیں اس کے باوجود ان کی تفصیلات کے دوام پر کسی کو اعتراض نہیں ہے مثلاً نماز ہی کو لیجیے جس کا ذکر قرآن کریم میں تقریباً سات سو بار آیا ہے۔ لیکن اس کی رکعات اور ادائیگی کے طریق کار کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس کی تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلائی وہ بعینہ خدا تعالیٰ کی منشا اور ہدایات کے مطابق تھی۔ اپنی مرضی سے نہ تھی اور یہ تفصیل تا قیامت ہے۔ جس پر کبھی اعتراض نہیں اٹھایا گیا۔ بعینہ یہی صورت زکوٰۃ، روزہ اور حج کے احکامات کی ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت، محل نصاب، مصارف اور شرح سب کچھ

خدا تعالیٰ سے ہے۔ جس میں ردوبدل کا خود آپ کو بھی اختیار نہ تھا. خلفائے راشدین نے بھی یہی کچھ سمجھا۔ بعد میں بھی آج تک شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی بات سوچنے تک کی کسی کو جسارت نہیں ہوئی تو آج کسی دوسرے کو اختیار کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

۴۔ زکوٰۃ کی موجودگی میں دوسرے ٹیکسوں کا جواز

لوگوں کی آمدنی میں غریبوں کا جو حق ہے یا جس سے نظم ونسق حکومت چلایا جا سکتا ہے۔ وہ حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ذرائع بیت المال میں اتنی گنجائش ہے کہ ہر دور میں اخراجات کے ساتھ متوازن ہو سکیں تو اندریں صورت زکوٰۃ علاوہ دوسرے ٹیکس تو کجا، صدقات وخیرات، جو محض غریبوں کی خدمت کی غرض سے لئے جاتے ہیں. قانوناً وصول نہیں کئے جا سکتے اسلام نے بغیر حق کے جس طرح کسی مسلمان کا خون حرام قرار دیا ہے بالکل اسی طرح اس کے مال کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیا حکومت کو بلاوجہ اپنی رعایا کے کسی فرد کے خون بہانے کا حق ہے ؟ جس طرح یہ خون بہانا حرام ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اس کے مال میں تصرف کرنا اور اس کی عزت سے کھیلنا بھی حرام ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں یہ ہدایت واضح طور پر موجود ہے :۔

"لوگو ! تمہارے خون، اموال اور عزت وآبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا (عرفہ کا) دن اور یہ مہینہ (ذی الحجۃ) اور یہ شہر (مکہ) تمہارے لئے باحرمت ہے" (بخاری ومسلم)

"ٹیکس کی حقیقت" کی تفصیل میں ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں ٹیکس غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے اور اس کی شرح میں تبدیلی ممکن ہے، جبکہ مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس اور ان کی مختلف صورتیں مکس ہیں جو ایک جرم عظیم ہے۔

اور جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد :۔

اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ (ترمذی) لوگوں کے مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔

سے حکومت کے لئے دوسرے ٹیکس عائد کرنے کی سند جواز عطا کرتے ہیں تو ہمارے خیال میں یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس ارشاد سے تو صرف توضاحت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو فقراء کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری محض حکومت پر نہ ڈال دینی چاہیئے۔ بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنے طور پر ملاقات کے ذریعہ ان کی خبر گیری کرتے رہنا چاہیئے۔ اس عام حکم سے حکومت کے دوسرے ٹیکسوں کے لئے استدلال کرنے کی کوئی

وجہ نظر نہیں آتی جبکہ دوسری طرف ایسے ٹیکسوں کے لئے سخت وعید سنائی گئی ہے

اندریں صورت حال ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر حکومت کے پاس وہ کونسا شرعی حق ہے جس کی بناء پر وہ لوگوں سے زکوٰۃ کے علاوہ جبراً کچھ وصول کرے۔ ایک شخص اگر اپنی ذاتی ضروریات کے لئے مکان بنالیتا ہے تو اس پر پراپرٹی ٹیکس عائد کرنے کی وجہ جواز کیا ہے۔؟

عجیب اتفاق ہے کہ حکومت کو دوران جنگ جنگی اخراجات کے لئے ــــ اگر اپیل سے کام نہ چل رہا ہو تو جبری ٹیکس لگانے کا حق دیا گیا ہے (جس کی تفصیل کسی دوسری جگہ بیان کی گئی ہے) مگر وہاں تو حکومتیں اپنا یہ حق استعمال نہیں کرتیں اور ملک کے اندر اور باہر سے سودی قرضے لینا شروع کر دیتی ہیں اور جہاں یہ حق نہیں وہاں یہ ٹیکس کی شرح بڑھاتی اور مزید ٹیکس عائد کرتی چلی جاتی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس لگانے یا مزید بڑھانے کی اجازت دی جائے تو عوام کے پاس آخر وہ کونسی قوت ہے۔ جو حکومت کی بدعنوانیوں کا محاسبہ کر سکے اور اسے راہ راست پر لا سکے اور اگر کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے تو اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ اسی اختیار کی بناء پر حکومت کئی غیر دانش مندانہ اور غیر ترقیاتی منصوبے شروع کر دیتی ہے اور اس کا بار اگر ٹیکسوں سے پورا نہ ہو سکے تو حکومت نئے نوٹ چھاپ کر اپنے اخراجات پورے کر لیتی ہے۔ جس کا بار عوام پر پڑتا ہے۔ یہ گویا ایک جبری ٹیکس ہے جسے HIDDEN TAX بھی کہا جاتا ہے گویا اسی شرح کی بناء پر حکومت کی معاشی پالیسیوں میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ بڑھتے ہوئے اخراجات

شرح زکوٰۃ میں اضافہ یا دوسرے ٹیکس بحال رکھنے یا مزید ٹیکس عائد کرنے کی وجہ یہ تبلائی جاتی ہے کہ آجکل حکومتوں کی ذمہ داریاں اور اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں، ہم عرض کریں گے کہ :۔

۱۔ اگر حکومت کے اخراجات بڑھ چکے ہیں تو آمدنی کی مدات بھی بڑھ چکی ہیں۔ کئی محکمے کاروباری طریق پر چل رہے ہیں جن سے معقول آمدنی متوقع ہوتی ہے۔ مثلاً محکمہ ڈاک، تار، ریلوے، انہار وغیرہ

۲۔ بڑھتے ہوئے اخراجات کی بڑی وجہ ہمارا موجودہ نظام ہے۔ مثلاً عدلیہ کو لیجئے جہاں ایک فوجداری مقدمہ بھی سالہا سال تک چلتا رہتا ہے اسلامی نظام میں قتل جیسے مقدمہ کے لئے بھی ایک ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ طریق کار میں اس تخفیف سے عدالتوں میں جہاں اس وقت ۱۰۰ جج کام کر رہے ہیں وہاں پندرہ بیس جج بھی بہت کافی ہوں گے۔ عدلیہ کے اخراجات کئی گنا کم ہو جائیں گے۔ اسی طرح پولیس

کے اخراجات کم ہوں گے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے جہاں اخراجات اور محنت کم ہو گی عدالتوں میں تضیع اوقات سے نجات ملے گی وہاں ٹریفک کا دباؤ بھی کم ہو گا۔ صرف عدلیہ کے نظام میں تبدیلی سے اتنے اخراجات کم ہونے کا امکان ہے۔ تو جب پورا اسلامی معاشرہ رائج ہو جائے گا تو اخراجات میں حیرت انگیز حد تک خود بخود کمی واقع ہو جائے گی۔

محکمہ امن و عدل کے سٹاف میں نمایاں کمی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم کم تنخواہ دار افراد کی تنخواہ آسانی سے دوگنا کر سکیں گے۔ جس سے رشوت کا سدِ باب ہو گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ رشوت کی بناء پر مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۳۔ اخراجات میں تخفیف سے تیسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک غریب آدمی کے انصاف کا حصول ممکن ہو جائے گا جبکہ آج کل کورٹ فیس جیسے غیر شرعی محاصل انصاف کے حصول میں سنگِ گراں بنے ہوئے ہیں۔ کئی محکمے جن کی اسلامی نظام میں گنجائش نہیں خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ مثلاً خاندانی منصوبہ بندی اور فحاشی پھیلانے والے ثقافتی مراکز۔

۴۔ حکومت کو جب ٹیکس عائد کرنے کا حق نہ رہے گا تو وہ غیر ترقیاتی منصوبوں اور مُسرفانہ اخراجات سے پرہیز کرے گی اور چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے گی۔ حکومت کے انتظامی اخراجات بھی توجہ طلب ہیں۔ لاتعداد محکمے، وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج۔ ان کے الاؤنسز اور سفری اخراجات کم کرنے سے کافی بچت کی جا سکتی ہے۔ نیز سرکاری افسروں کو سرکاری اشیاء املاک کے بے جا اور مُسرفانہ استعمال پر قانونی پابندیاں عائد کرنے سے بھی اخراجات میں خاطر خواہ کمی کی جا سکتی ہے۔

۵۔ سکولوں کی عمارتوں کی بجائے مساجد اور اس کے ساتھ ملحقہ کمروں سے کام لے کر تعلیم کے اخراجات میں خاصی کمی کی جا سکتی ہے اور یہی چیز اسلامی نظریات و روایات سے مطابقت رکھتی ہے۔

۶۔ ایسی سینکڑوں کارپوریشنوں کا جو سفید ہاتھی بنی ہوئی ہیں، جائزہ لے کر کروڑوں روپے کی بچت کی جا سکتی ہے۔

۷۔ ہر سرکاری افسر کی بھرتی کے وقت اس کے املاک و جائیداد کی فہرست حکومت کو بھیج دینی چاہیئے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں ہوتا تھا اور پھر اس میں ناجائز اضافہ پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

غرض بڑھتے ہوئے اخراجات ایک بیماری ہے۔ جس کے بے شمار اسباب ہیں۔ ان اسباب کو دُور کر کے اس بیماری کا صحیح علاج سوچنا چاہیئے۔ نہ کہ اسے بہانہ بنا کر شرح زکوٰۃ میں اضافہ کے "اجتہاد" یا دوسرے ٹیکسوں کے لیے جواز کی راہ ہموار کرنی چاہیئے۔

ایک اسلامی ریاست کے اخراجات کا انحصار محض زکوٰۃ کی آمدنی پر نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں مثلاً :-

۱۔ سرکاری زمینوں کی فروخت، ان کا لگان اور ٹھیکے۔

۲۔ جنگلات سے حاصل ہونے والی پیداوار یں۔ عمارتی لکڑی، ایندھن، بیروزہ، کتھا اور کئی قسم کے تیل۔

۳۔ غیر مسلموں کی زمین کا لگان یا خراج۔

۴۔ بیرونی ممالک سے درآمد شدہ اشیاء پر محصول۔

۵۔ رکاز، قدرتی خزانوں مثلاً معدنیات، تیل، گیس وغیرہ سے حاصل ہونے والی رائلٹی، لیز، یا بصورت دیگر انتظامی اخراجات کے بعد باقی سب آمدنی۔

۶۔ اموال غنیمت، غیر مسلموں سے حاصل شدہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد۔

۷۔ لاوارث لوگوں کے اموال اور جائیدادیں۔

۸۔ زکوٰۃ جو بیت المال کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور جسے بیت المال کے دیگر ذرائع آمد و خرچ سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

لہذا اگر اسلامی نظریہ اقتصاد کو ملحوظ رکھا جائے تو بیت المال کی آمدنی سے ہر دور میں بڑھتے ہوئے اخراجات بخوبی پورے ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے ہم تاریخ سے شواہد پیش کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد میں اسلامی مملکت عہد نبویؐ سے کئی گنا زیادہ پھیل چکی تھی۔ کئی نئے محکمے وجود میں آچکے تھے۔ محکمہ مال گزاری، محکمہ فوج، محکمہ پولیس، جیل اور ڈاک وغیرہ اخراجات بڑھ چکے تھے۔ تقاضے بدل چکے تھے۔ لیکن اسی بیت المال کی آمدنی سے نظم و نسق چلتا رہا۔

مسلمانوں نے تقریباً چھ سو سال بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ مملکت اسلامیہ متمدن ترین سلطنت شمار ہوتی تھی۔ زمانہ کے تقاضے بدل چکے تھے۔ ضروریات اور اخراجات میں لگاتار اضافہ ہو رہا تھا لیکن کسی حکومت کو شرح زکوٰۃ میں اضافہ کی جرأت نہ ہوئی اور اگر کسی مسلمان بادشاہ نے مسلمانوں پر کوئی نیا ٹیکس عائد کیا بھی تو اسے جواز کا درجہ کبھی عطا نہ ہوا۔ وہ ظلم و جور ہی سمجھا جاتا رہا۔

ہم نے اپنے ایک سابقہ مضمون میں آج کل کے اخراجات اور آج کے دور میں بیت المال کی متوقع آمدنی کا جائزہ پیش کیا۔ اس تقابل کے لئے اکنامک سروے ۷۷-۱۹۷۶ء سے اعداد و شمار حاصل کئے۔ اور جہاں یہ اعداد و شمار نہ مل سکے۔ تو دوسرے ذرائع پر انحصار کر کے نہایت محتاط اندازہ سے جائزہ لیا ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کا مرکزی یا صوبائی بجٹ تو موجود تھا۔ بیت المال کی مجموعی آمدنی کا

بجٹ خود تیار کیا۔ تو مسرت کی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ بیت المال کا بجٹ موجودہ بجٹ سے نسبتاً بہتر ثابت ہوا ہے۔ اس جائزہ کے مطابق زکوٰۃ کی آمدنی مجموعی آمدنی کا ۴۲٪ بنتی ہے۔ زکوٰۃ کی آمدنی کا نصف محض نادار طبقہ کے لیے مختص قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ باقی نصف قرآن کے بیان کردہ مصارف دفاع، نظم ونسق اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ میرا یہ مضمون اپریل ۱۹۷۸ء کے ترجمان الحدیث میں شائع ہوا جس پر راقم الحروف کو ایک ممتاز شخصیت کی طرف سے مبارک باد بھی پیش کی گئی تھی۔

لہٰذا برنبائے بصیرت یہ کہا جا سکتا ہے اور ہماری یہ تجویز ہے کہ حکومت زکوٰۃ کا نظام پورے کا پورا نافذ کرے۔ ساتھ ہی ساتھ بیت المال کے دوسرے ذرائع آمدنی کو شامل کر کے زکوٰۃ فنڈ کے بجائے بیت المال کی تشکیل کرے۔ اور ٹیکسوں کے سرمایہ دارانہ نظام کو بتدریج ختم کر کے اسلامی نظام معیشت کی صحیح مثال پیش کرے۔

آخر میں ہم موجودہ حکومت کا اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کے لیے تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس حکومت کو مخلصانہ عزائم میں کامیاب کرے۔ آمین

زکوٰۃ وعُشر سے متعلق تجاویز کا خلاصہ

۱۔ پاکستان کو ایک فلاحی مملکت بنانے اور نظام زکوٰۃ کو موثر اور بار آور بنانے کے لئے ضروری ہے کہ سادہ طرز زندگی کو رواج دیا جائے۔ زر پرستی اور خود غرضی کے رجحان کو کم کرنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں۔

۲۔ زکوٰۃ جملہ مدات مثلاً نقدی اور اس کی تمام موجودہ صورتیں، اجناس اور خشک پھل، اموالِ تجارت اور صنعت، مویشی اور دفینے وغیرہ سب پر وصول کی جائے نہ کہ صرف نقدی اور اجناس پر۔

۳۔ خود تشخیصی طریق کار صرف نقدی اور زیورات پر عائد ہو سکتا ہے۔ اجناس یا دوسری ظاہر اشیاء پر نہیں۔

۴۔ ہر طرح کی زکوٰۃ خواہ وہ خود تشخیصی ہی کیوں نہ ہو حکومت کو ادا کی جانی چاہیے اور حکومت اسے باقاعدگی سے وصول کرے۔

۵۔ مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کا مرکز یا دفتر محلہ یا گاؤں کی مرکزی مسجد ہونا چاہیے اور اس کا حلقہ نکاح رجسٹرار کا حلقہ ہو۔ اسی طرح تحصیل اور ضلع کمیٹیاں بھی تحصیل یا ضلع کے صدر مقام کی مرکزی مسجد ہونا

چاہیئے۔ انہی مقامات پر نماز جمعہ کے بعد اجتماع ہوا کریں۔

۶۔ ان کمیٹیوں کے (ارکان) (۱) ناظم متعلقہ امام مسجد ہو (۲) پٹواری مال اور (۳) پٹواری نہر ہو۔ باقی تین منتخب ارکان ایسے ہوں جو مسجد سے رابطہ رکھتے ہوں۔ دیانتدار ہوں اور بددیانتی کا جرأت سے مقابلہ کر سکتے ہوں اور یہ انتخاب اسی مسجد کی منتظمہ کمیٹی کرے تو بہتر ہوگا۔

۷۔ ان کمیٹیوں کو زکوٰۃ وصول کرنے کے متعلق ہدایات مہیا کی جائیں۔ زکوٰۃ کی وصولی ان کی اولین ذمہ داری ہے۔ دوسری ذمہ داری معذور افراد کی فہرستیں تیار کرکے بالائی کمیٹیوں کو بھیجنا اور معلوم کرنا کہ ان کے متعلقین اور رشتہ دار اگر صاحبِ استطاعت ہوں تو ان سے کیوں غافل ہیں۔ نیز اتفاقی حوادث کا شکار ہونے والے افراد کے لیے امداد اور قرضہ کی سفارش کریں۔

تیسری ذمہ داری، مزارع اور کسان کے تعلقات کو خوشگوار بنانا۔ مرہونہ زمینوں کا جائزہ لینا۔ جاگیروں کے انتقالات اور بنجر زمینوں کی آبادکاری کے لیے سفارشات حکومت کو پیش کرنا۔ تاکہ پیداوار بیش از بیش ہو اور اسی نسبت سے زکوٰۃ میں اضافہ ہو۔ نیز ان ارکان کو معاوضہ دیا جانا چاہیئے۔

۸۔ زکوٰۃ کی جملہ مدات سے وصولی کے ساتھ ساتھ بیت المال کے دوسرے ذرائع آمدنی کو بھی بروئے کار لایا جائے اور بتدریج دوسرے تمام ٹیکسوں کو ختم کیا جائے۔ کیوں کہ ان کا شرعی جواز تو پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ البتہ وعید ضرور آئی ہے۔

(عبدالرحمٰن کیلانی)

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد اول	کتاب الطہارۃ	مجلد -/۲۵ روپے
جلد دوم	کتاب الصلوٰۃ (حصہ اول)	
جلد سوم	کتاب الصلوٰۃ (حصہ دوم)	مجلد -/۲۵
جلد چہارم	کتاب الصلوٰۃ (حصہ سوم)	
جلد پنجم	(کتاب الجنائز)	مجلد -/۳۵ روپے
جلد ششم	(کتاب الصیام)	مجلد -/۳۵
جلد ہفتم	(کتاب الزکوٰۃ)	مجلد -/۴۵
جلد ہشتم	(کتاب الحج)	

مکمل سیٹ ۸ جلد -/۱۷۵ روپے

تاجران وطلبہ سے خصوصی رعایت کی جائیگی۔ درج ذیل پتہ پر رابطہ فرمائیں

۱۔ (مولانا) علی محمد سعیدی۔ مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان) پاکستان

۲۔ محمد اسلم بی۔ اے۔ مینجر ہفت روزہ "الاسلام" جامعہ محمدیہ چوک نیائیں گوجرانوالہ